حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان
ماہنامہ
الجماعۃ
مارچ ۲۰۱۸ء / جمادی الآخرۃ ۱۴۳۹ھ

مسلمانوں کا عروج وزوال - قرآن وسنت کی روشنی میں

اور اس عروج وزوال میں نوجوانوں کا کردار

... اور یہی عقل کی عبادت ہے!!

"نبوت کو تسلیم کر لینے کے بعد عقل اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہے، اور یہی عقل کی عبادت ہے، جیسے ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ اللہ کی عبادت کرتا ہے، سر کی عبادت جھکنا ہے، بدن کی عبادت قیام ہے، پاؤں کی عبادت نیک کام کی طرف چلنا ہے، ہاتھ کی عبادت اچھے کام کرنا ہے، آنکھوں کی عبادت اللہ کی قدرت میں غور کرنا ہے؛ کان کی عبادت نصیحت کو سننا ہے، دماغ کی عبادت نارسا جگہوں میں اپنے تصرف کو چھوڑنا ہے، اور اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا ہے۔ اس کی واضح تر مثال یہ ہے کہ ابلیس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ سجدہ کا حکم دینے والا اللہ ہے اس کے باوجود اس نے اپنی عقل کو دخل دیا، اس وجہ سے اللہ کے دربار سے دور ہوا، اور سو ایسے لوگ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے جو ایسے موقع پر عقلی قوی کو صرف کرتے ہیں"۔

(حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ،
فتاوی اہل حدیث روپڑی: ۳۵۲/۳))

از

فضیلۃ الشیخ محمد مقیم فیضی رحمہ اللہ

صوبائی جمعیت اہلِ حدیث ممبئی

خصوصی مضمون

مسلمانوں کا عروج وزوال قرآن وسنت کی روشنی میں

اور اس عروج وزوال میں نوجوانوں کا کردار

محمد مقیم فیضی

جوانی کا دور ابلتی ہوئی قوت اور امڈتے ہوئے جذبات کا دور ہوتا ہے اور اگر صحیح تربیت سے ان دونوں کو مناسب رخ مل جائے تو جوانی دنیائے انسانیت کے لئے باعث رحمت بن جاتی ہے اور اگر معاملہ برعکس ہو تو تخریب انسانیت کا سب سے سیاہ عہد بھی یہی ہوتا ہے۔ بیشک کسی بھی امت میں نوجوان ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوا کرتے ہیں اور اس کا اٹھان اور عروج انہیں کے کاندھوں پر ہوتا ہے، مگر یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ نوجوانوں کے جذبات کو تعمیری رخ دینے کے لئے بزرگوں کی حکمت اور ان کے افکار اور تجربوں کی روشنی بھی لازم ہوتی ہے اور طرفین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے۔ امت اسلام جو قیامت تک باقی رہنے والی رسالت کی حامل ہے اور جسے سیادت وقیادت کے مقام پر اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ اس دین رحمت سے معزز ومکرم ہوئی تھی، اس میں سید المرسلین محمد ﷺ تشریف لائے تھے۔ اس دعوت مبارکہ کے دور اول ہی سے اس میں نوجوانوں کا کردار نمایاں رہا ہے جبکہ ارشاد ورہنمائی کی مسند صدارت پر ہمیشہ بزرگان ملت جلوہ افروز رہے ہیں جو نوجوانوں کی قوت اور جذبات کو صحیح رخ دینے کے لئے سدا فکر مند اور کوشاں رہے ہیں، اس کاروان فلاح انسانیت کا آغاز محمد بن عبداللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی قیادت میں ہوا اور سارے اخیار وصالحین انہیں کے جھنڈے کے نیچے رواں دواں ہوئے، اسلام کی پہلی حکومت وسلطنت قائم ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دور دراز کے گوشوں تک پھیلتی چلی گئی، اس معمورے کے بیشتر خطوں میں اسلامی علم اونچے سے اونچا لہراتا رہا، اسلام کے مختلف ادوار میں نوجوان ہی بفضلہ تعالیٰ اس کی شوکت وعظمت کے رکھوالے اور اس کی آن پر جان لڑانے والے تھے، دیار ملت اسلامیہ کا دفاع زبان وبیان سے بھی اور سیف وسنان سے بھی کیا کرتے تھے، علم وعمل کا پیکر تھے، وہ صرف رزم گاہوں کے صف شکن اور اگلی صفوں کے جانباز نہیں تھے بلکہ انھوں نے علم کے حلقوں کو آباد کرنے اور مشائخ اسلام کی نشستوں سے استفادے کے لئے جھلستی دھوپ اور گرم گرم بگولوں کے تھپڑ کھائے تھے، حکمت کی تلاش اور دانائی کی جستجو میں دیار وامصار کی خاک چھانتے پھرتے تھے، ہر شہر اور بستی کے علماء سے ان کا علم حاصل کرتے تھے، ان کے اخلاق سے مستفید ہوتے تھے، ان کے نصح وارشاد کو گرہ سے باندھتے تھے، اسلام اور اس کے قوانین کے عملی نفاذ اور پیروی پر مشتمل ان کے منہج حیات کے تجربوں اور ان کی کاوشوں کے ثمرات سے استفادہ کرتے تھے۔

اسی لئے جہاں ان نوجوانوں میں ایک طرف فتح وکامرانی کے جھنڈے گاڑنے والے سالاران لشکر تھے وہیں ان میں تبلیغ اسلام کرنے والے دعاۃ إلی اللہ کے قافلے بھی رواں دواں تھے جو اسلام کی جاں نواز تعلیمات سے ایک عالم کا دل ودماغ روشن کررہے تھے۔ ان میں فقہاء ومحدثین کی جماعتیں بھی تعلیم وتربیت کے مراکز مختلف شہروں اور بستیوں میں آباد کرکے قال اللہ وقال الرسول وقال الصحابۃ کے پیغامات نشر کررہی تھیں اور امت کی رائے عامہ کو نضج وپختگی کے مراحل سے گزار کر

اوج ثریا تک لے جا رہی تھیں۔ ان میں بڑے بڑے تجار بھی تھے جو کارہائے دین وملت میں لکھ لٹ تھے، اور سماجی فلاح وبہبود اور رفاہ عام کے حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہے تھے۔ الحمدللہ ان نوجوانان اسلام کی تاریخ کا صفحہ صفحہ روشن ہے۔

پھر تاریخ کی کروٹوں میں کردار گم ہونے لگے، عقیدہ ومنہج پر عجمی افکار کی چھاپ پڑی، ابلیسی شبہات نے وسوسے جگائے، فکری توازن ڈگمگا گیا، ہوائے نفس کی پیروی شروع ہوئی، نعمتوں کی فراوانی نے عیش کوشی اور آرام طلبی کی راہ پر ڈالا، ایوان اقتدار میں دنیا کے لئے تنافس شروع ہوا، علمی دانش کدے اور خانوادے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اختلافات نے سر اٹھائے، تنازعات کھڑے ہوئے اور فرقے پیدا ہوتے چلے گئے، امت گروہوں میں بٹ کر باہم دست وگریباں ہوگئی اور بتدریج غربت اسلام کے ماحول کی طرف بڑھتی رہی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

مگر یہ بھی امت مسلمہ کی خوش قسمتی اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ ملت ہر ابتلا وآزمائش کے بعد ایک نئی آن بان کے ساتھ منظر عام پر آتی رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لایزال اللہ یغرس فی ہذا الدین غرسا یستعملہ في طاعتہ'' اللہ تعالیٰ اس دین میں ہمیشہ نئی نئی پود کھڑی کرتا رہتا ہے جسے اپنی طاعت کے کاموں میں لگا دیتا ہے۔ (ابن ماجہ، الصحیحۃ للالبانی:۲۴۴۲)

اورفرمایا: ''مثل أمتي مثل المطر لایدری أولہ خیر أم آخرہ؟'' میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا اول بہتر ہے کہ آخر۔ (احمد، ترمذی، الصحیحۃ:۲۲۸۵)

اورفرمایا: ''في كل قرن من امتي سابقون''

(دیکھئے: الصحیحۃ للالبانی:۲۰۰۱)

میری امت کی ہر صدی میں سابقین ہیں۔ (یعنی اپنے اپنے دور میں اللہ کے لئے اور اسلام کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے اور دین کی خدمت کرنے میں ایسے ہی پیش پیش ہوں گے جیسے رسول اللہ ﷺ کے دور کے سابقین تھے)

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں امت محمدیہ کے لئے عظیم بشارت ہے کہ اس میں اللہ کے احکام کیلئے کام کرنے والے ہر صدی میں بالاستمرار رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: (ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ) (فاطر:۳۲) ''پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں۔ یہ بڑا افضل ہے''۔

کسی ایک صدی کو چھوڑ کر دوسری صدی کے لئے نہیں ہے بلکہ قیامت کے قائم ہونے تک تمام زمانوں کے لئے عام ہے...'' (مقدمہ سلسلہ صحیحہ ج۵)

اس لئے آجکل امت اگرچہ بڑے ہی دیگر گوں حالات سے گزر رہی ہے، اس پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، دنیا کے متعدد خطوں میں اس کا قتل عام ہو رہا ہے، اعدائے اسلام کے لئے وہ تر نوالہ ثابت ہو رہی ہے، وہ ہر طرف سے اس پر یلغار کئے چلے آرہے ہیں، بہت سے تماشائی اس کے حال زار پر مگرمچھ کے آنسو بھی بہاتے ہیں، کچھ صیاد اپنے صید کو مرہم لگا کر اور اسے کچھ دانہ پانی دیکر واہ واہی بھی لوٹتے ہیں، یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مگر اس میں سے کچھ بھی نہ تو تاریخ عالم کے لئے نیا ہے نہ مسلم امت کی یہ انوکھی مصیبت وآزمائش ہے۔

دراصل دنیا میں یہی سب ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا، دنیا اللہ نے ابتلا وآزمائش کے لئے ہی بنائی ہے، یہاں حق وباطل کا تصادم کائنات میں انسان کی آمد بلکہ اس سے پیشتر ہی سے جاری

ہے۔اس کے لئے (يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ)(توبہ:۱۱۱) کا نظام بنایا گیا ہے، اور جب فی سبیل اللہ قتال نہیں ہوتا اور سب ایک ہی رنگ میں رنگ جاتے ہیں، اور اللہ کیلئے رگوں میں خون کی حرارت وروانی منجمد ہوجاتی ہے، اور سب اللہ کی رضامندی کی بجائے اپنی رضا اور خواہش کیلئے جینے لگتے ہیں تو ماضی کی تاریخ بتاتی ہے کہ عام عذاب آجاتا تھا، اور پوری پوری بستی کا صفایا ہوجاتا تھا، ان میں گنتی کے صرف وہی لوگ بچتے تھے جو اگرچہ سماج ومعاشرے کی نگاہ میں ''اراذل'' کمین اور ''بادی الرائے'' سطحی فکر کے حامل لوگ ہوتے تھے، مگر اللہ کی نگاہ میں یہی قابل زیست اور قابل تکریم ہوتے تھے۔اور چونکہ ان کی افرادی اور مادی قوت اتنی کمزور ہوتی تھی کہ ان سے (یقاتلون) کا مطالبہ بھی نہیں تھا اس لئے ان کی صرف دعوت اور تربیت ہی مقبول تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بھی مذکورہ ضابطے اور سنت سے مستثنیٰ نہیں کیا ہے، اس کے عروج وزوال کی داستان ہر ایک کے اعمال واوصاف کے ساتھ پہلے ہی کھول کر بیان کردی گئی ہے اور عزت وکامرانی کے ضابطے بھی پوری وضاحت کے ساتھ اسے عطا کردئے گئے ہیں۔

- **اگر اللہ کی مدد اور فتح چاہیے تو :**

(كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ)(صف:۱۴) اللہ کے مددگار بن جاؤ۔

(اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ) (محمد:۷) اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔

(وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ) (حج:۴۰) اللہ تعالیٰ یقینا ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے، بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست وغالب ہے۔

- صرف زبانی جمع خرچ اور تمناؤں سے کوئی اللہ کا مددگار نہیں بن سکتا اس کیلئے اللہ کو حسب ذیل اوصاف مطلوب ہیں:

(اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ)(الانفال:۷۲)

- ایمان (اپنے تمام تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ)
- ہجرت (اپنے تمام معانی کے ساتھ)
- جہاد (اپنی تمام معنویتوں اور بلندیوں کے ساتھ اور رفعت مقاصد کے جلو میں)
- ایوا (ایمان والے بھائیوں کو ٹھکانا فراہم کرنا، انسانیت کی اعلیٰ قدروں، خلوص ومحبت اور ایثار وتواضع کے ساتھ)
- نصرت (دین کا عملی نفاذ، دین کے لئے جانی ومالی قربانی، ایمان والوں کا مادی ومعنوی تعاون اور ان کی بے غرض منصفانہ حمایت)

ان اوصاف کے ساتھ یہ مومنین باہمی رشتہ الفت ومودت میں ایک دوسرے سے ایسے منسلک ہوجاتے ہیں جو اپنی گہرائی اور وسعت میں بیمثال ہوتا ہے اور سب کی زندگی کا مقصد ایک یعنی اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے اور اس وقت انہیں اللہ کی محبت اور رضامندی حاصل ہوجاتی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ کے لئے ہوتی ہے اور دنیا سے زیادہ آخرت کے لئے ہوتی ہے۔مگر دنیا میں بھی غلبہ وتمکین انہیں کو حاصل ہوتا ہے۔

مگر اس غلبہ وتمکین کی بقا کے لئے بھی کچھ لوازمات ہیں جنھیں یوں بیان کیا گیا ہے : (اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ) (الحج:۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے''۔

زجاج فرماتے ہیں : یہ اس کے ناصرین (مددگاروں) کی صفت ہے۔مفسرین کے مطابق تمکین فی الارض کا مطلب یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا، معروف کا مطلب لا الہ الا اللہ، اور منکر کا مطلب شرک ہے۔ (زاد المسیر لابن الجوزی: ۲۴۱/۳)

مفسر آلوسی راغب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فعل صلاۃ کی تعریف فرمائی ہے یا اس کی ترغیب دی ہے وہاں اس کا تذکرہ اقامت صلاۃ سے کیا ہے مصلیان (نماز پڑھنے والے) نہیں فرمایا ہے، ہاں یہ لفظ منافقوں کے متعلق ضرور استعمال کیا ہے: (وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ) خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے۔ اور لفظ اقامت کی تخصیص سے اس بات کی تنبیہ مطلوب ہے کہ فعل صلاۃ (نماز ادا کرنے) کا مقصد اس کے تمام حقوق وشرائط کی تکمیل ہے محض شکلی طور پر اسے پڑھ لینا مراد نہیں ہے، اسی لئے مروی ہے کہ نماز پڑھنے والے تو بہت ہیں مگر نماز قائم کرنے والے تھوڑے ہیں۔

اور زکاۃ دیں گے میرے بندوں کی مدد کے لئے، اور معروف کا حکم دیں گے۔ اور ہر وہ چیز جس کی اچھائی شریعت اور عرف میں معروف ہو وہی معروف ہوتی ہے، اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور ہر وہ چیز جو اہل علم اور عقل سلیم رکھنے والوں کے نزدیک بری ہو وہی منکر ہے۔ (روح البیان: ۴۱/۶)

- معروف و منکر کی تعیین میں اصل شریعت ہی ہے۔
- امت کا خسارہ سب سے پہلے نماز کی کوتاہیوں ہی سے شروع ہوتا ہے۔ جو درحقیقت غور کرنے پر عقیدے کے خلل ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا) (مریم: ۵۹) ''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا''۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے خوش بختوں کا ذکر کرلیا، یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا جو اللہ تعالیٰ کے حدود و احکام کو قائم رکھنے والے ہوتے ہیں، اس کے فرائض کے ادائیگی کرنے اور اس کے زواجر (ممنوعات ومنہیات) کو ترک کردینے والے ہوتے ہیں تو ان کے بعد ایسے ناخلف لوگوں کا تذکرکیا ہے جو بعد کے زمانوں میں آتے ہیں کہ وہ نماز کو ضائع کردیتے ہیں۔ اور جو لوگ نماز کو ضائع کردیتے ہیں وہ دیگر واجبات کو تو اور زیادہ ضائع کردینے والے ہوتے ہیں کیونکہ نماز ہی تو دین کا ستون اور جوہر ہے، اور بندوں کے اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے۔ اور پھر یہ لوگ دنیا کی شہوتوں اور لذتوں کی طرف مائل ہوجاتے ہیں، دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہوجاتے ہیں۔ تو یہی لوگ عنقریب روز قیامت کا خسارہ اٹھائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲۴۳/۵)

- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسی ضمن میں رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان کی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: ساٹھ سال کے بعد ناخلف لوگ ہوں گے جو نماز کو ضائع کردیں گے اور خواہشات کی پیروی کریں گے، یہی لوگ روز قیامت کا خسارا اٹھائیں گے، پھر ان کے بعد جو ان کے جانشین ہوں گے وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، اور قرآن کو تین طرح کے لوگ پڑھیں گے: مومن، اور منافق اور فاجر۔

بشیر کہتے ہیں: میں نے ولید سے پوچھا: ان تینوں کی کیا تفصیل ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: منافق تو اس کا منکر ہوتا ہے، اور فاجر اسے کھانے کمانے کا ذریعہ بنالے گا اور مومن اس پر ایمان رکھے گا۔ (مسند احمد: ۳۸/۳)

خوب یاد آیا رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ: ''اكثر منافقی أمتی قراؤها'' میری امت کے اکثر منافقین اس کے قراء حضرات ہوں گے (یعنی قرآن کو پڑھنے لکھنے والے مولوی صاحبان) (صحیح الجامع) اس پر ان شاء اللہ ہم آنے والی سطور میں گفتگو کریں گے۔ پہلے اس آیت کے مفہوم کی تکمیل کرلیں)۔

● شہوات کی پیروی کے متعلق ابوسلیمان دمشقی فرماتے ہیں : شہوات کی پیروی مثلاً : گانا سننا، شراب پینا، زنا کرنا اور کھیل تماشے وغیرہ میں مشغول ہوجانا ہے۔ اور اسی طرح کے دیگر کام کرنا ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ (زادالمسیر : ۱۳۸/۳)

● اسی موضوع سے متعلق ایک دوسری حدیث بھی ہے جو ان الفاظ میں ہے :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی امت میں جو بھی نبی بھیجا ان سب کے کچھ حواری (حمایتی ومددگار، اعوان وانصار) اور اصحاب ہوا کرتے تھے جو ان کی سنتوں پر عمل کرتے تھے اور ان کے احکام کی پیروی کیا کرتے تھے، پھر ان کے بعد کچھ ناخلف لوگ پیدا ہوجاتے رہے جو ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ خود نہیں کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو بھی ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کرے وہ (بھی) مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کرے وہ (بھی) مومن ہے (مگر) اس کے بعد ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (مسلم: ۸۰)

امت کے صالحین اور محبوب لوگوں کا وصف بتایا کہ وہ نبی کی سنتوں اور اس کے احکام کے پیروی اور ان پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں یعنی ان کا امتیاز ایمان ویقین اور عمل ہوتا ہے جبکہ امت کے برے منحرف اور مبغوض لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ صرف زبانی جمع خرچ کرنے والے الفاظ کے بازیگر ہیں یعنی وہ لفظوں کا شیش محل تیار کرتے اور ڈھاتے رہتے ہیں، جن کاموں کا مطالبہ دوسروں سے کرتے ہیں خود ان کی زندگی میں اس کا دور دور تک کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، وہ دوسروں سے ہر وقت بڑے بڑے منصوبوں کی تکمیل چاہتے ہیں، ان کے لئے ان کے پاس ڈھیروں اور لاتعداد مشورے اور مطالبے ہوتے ہیں وہ پانی پی پی کر انہیں کوستے اور طعنے دیتے ہیں، اٹھ اٹھ کر اور بیٹھ بیٹھ کر انہیں صلواتیں سناتے ہیں، لفظوں کے تیر ونشتر سے ان کا کلیجہ چھلنی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں مگر خود اتنے زود رنج اور نازک مزاج ہوتے ہیں کہ معمولی نصیحتیں اور گزارشات بھی انہیں اپنے اوپر کوڑے کی طرح محسوس ہوتی ہیں اور وہ سانپ کی مانند اپنے ناصح کے خلاف بل کھاتے ہوئے پھن کاڑھے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور کام ایسے کرتے ہیں جن کا انہیں شرعی فرمان کے مطابق حکم نہیں ملا ہوتا ہے، بس ان کا فاسد نفس جس طرف کے تقاضے کرتا ہے اسی طرف چل پڑتے ہیں، غیر مفید کاموں میں اپنی قیمتی عمر کے گرانقدر لمحات بری طرح گنوادیتے ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ شریعت کے احکام سے ان کا کوئی تعلق اور لینا دینا نہیں ہوتا ہے بس یہ نفسانی خواہشات کے قیدی اور غلام ہوتے ہیں، ان کو آپ تعمیری کاموں اور امت کے فلاح وبہبود کے کاموں میں شاید وباید ہی کبھی شریک کار دیکھیں گے۔ یہ محض اپنے بطون وفروج کے لئے ہی جیتے ہیں اور ملت کے غم میں ٹسوے بہاتے رہتے ہیں۔ اور کام کرنے والوں کی راہ میں ہمیشہ روڑے اٹکاتے رہتے ہیں۔ اور یہ لوگ کسی خاص گروہ یا جماعت یا کسی خاص شہر یا ملک ہی میں نہیں پائے جاتے بلکہ ملت میں ہر جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔

رسول گرامی کا ارشاد ہے کہ ہر طرف سے ایسے لوگوں کی گھیرا بندی ہونی چاہیے اور ہر طرح کی توانائیاں ان کے خلاف لگادینی چاہیے۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ پوری امت کو لے ڈوبیں گے۔

اب آیئے اس امت کے قتل عام اور اس کی ذلت کے جو اسباب بعض احادیث مبارکہ میں بیان کئے گئے ہیں ان پر بھی فی الحال ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں حالانکہ وہ عمیق غور وتدبر کی متقاضی ہیں۔

● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ’’قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ ہرج

بڑھ جائے، لوگوں نے پوچھا : اے اللہ کے رسول! ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل، قتل۔ (مسلم كتاب الفتن واشراط الساعة)

● اور بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ : "قیامت کے روبرو ہرج کے ایام ہیں، ان میں علم زائل ہوجائے گا اور ان میں جہالت پھیل جائے گی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ہرج حبشہ کی زبان میں قتل کو کہتے ہیں۔

● حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : قیامت کے روبرو ہرج ہوگا، لوگوں نے کہا: ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل، لوگوں نے کہا: اس سے بھی زیادہ جتنا ہم قتل کرتے ہیں، ہم تو ایک ہی سال میں ستر ہزار سے زائد کو قتل کردیتے ہیں؟ فرمایا: اس قتل سے مراد تمہارا مشرکوں کو قتل کردینا نہیں ہے، بلکہ تم میں سے بعض کا بعض کو قتل کردینا مراد ہے۔ لوگوں نے کہا: اور ان دنوں ہماری عقلیں ہمارے ساتھ ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: اس زمانے کے اکثر لوگوں کی عقلیں کھینچ لی جائیں گے، اور کوڑا کرکٹ لوگ رہ جائیں گے۔ ان میں سے اکثر لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ کسی چیز پر ہیں، حالانکہ وہ کسی چیز پر نہیں ہوں گے۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، صحیح الجامع: ۷۰۴-۲۰۴)

اور ابن ماجہ کی روایت میں فرمایا کہ یہاں تک کہ آدمی اپنے پڑوسی کو، اپنے چچازاد بھائی کو اور اپنے قرابتداروں کو قتل کرے گا۔

● یقیناً جب جہالت اور لالچ کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان عقل سے عاری ہوجاتا ہے اور اپنی خواہشات کے پیچھے دیوانہ ہوکر عجیب وغریب حرکتوں کا مرتکب ہوتا ہے مگر اس کے باوجود عجب اور غرور کا شکار ہوکر خود کو عقلمند اور برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھتا ہے۔

● حضرت ثوبان کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ... یقیناً میرے رب نے فرمایا: اے محمد جب میں کوئی فیصلہ کرلیتا ہوں تو اسے رد نہیں کیا جاتا ہے، اور میں انہیں (یعنی آپ کی امت کو) عام قحط سالی میں ہلاک نہیں کروں گا، اور نہ ان پر ان کے اپنوں کے سوا (باہر کا) کوئی دشمن مسلط کروں گا جو ان کا کلی صفایا کردے یا ان میں سے اکثر کو ختم کردے خواہ وہ ان کے خلاف دنیا کے تمام گوشوں سے جمع ہوکر آجائے یہاں تک کہ خود انہیں میں کے بعض بعض کو ہلاک کریں اور یہاں تک کہ خود انہیں میں کے بعض بعض کو قیدی بنائیں، مجھے تو اپنی امت پر بس گمراہ کرنے والے پیشواؤں کا ڈر ہے۔ اور جب میری امت میں (یعنی اسے قتل کرنے کیلئے) تلوار رکھ دی جائے گی تو اسے قیامت تک نہ اٹھایا جائے گا، اور قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکوں سے جاملیں (یعنی انہیں جیسے مشرکانہ کام کرنے لگیں) اور یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے بتوں کی پوجا کرنے لگیں۔ (ابوداود: ۴۲۵۲، البانی نے صحیح کہا ہے)

● اس حدیث سے حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں :

۱۔ باہر کے دشمن کو امت پر کوئی بڑا غلبہ اپنے بل بوتے پر نہیں حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ ان کی غیر معمولی اور بہت بڑی تباہی کا باعث بن سکے۔

۲۔ ہاں یہ کام امت میں شامل افراد یا گروہ ایک دوسرے کے خلاف کرسکتے ہیں اور ممکن ہے کہ دشمنان ملت ان کا اس سلسلے میں بھاری تعاون کریں جس کے نتیجے میں امت کا بڑا خون خرابہ ہو۔

۳۔ امت کی تلوار قیامت تک ایک دوسرے کے خلاف چلتی رہے گی اور کسی نہ کسی خطے میں یہ کام ہوتا ہی رہے گا۔

۴۔ یہ امت شرک اور بت پرستی کرے گی اور اگر پچھلی امتوں کے متعلق سنت الٰہیہ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بھی کھل جائے گی کہ یہی شرک ان کے درمیان بڑی خونریزی اور تباہی کا باعث ہوگا۔

۵۔ گمراہ کرنے والے ائمہ اور پیشوا جلتی پر تیل کا کام کریں گے اور اپنی بدعتوں اور گمراہیوں سے امت کو ہلاکت اور تباہی سے دوچار کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی باہمی آویزشوں اور خونریزیوں میں اضافہ کرتے جائیں گے اور اس کا سلسلہ دراز

ہوتا جائے گا۔

● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا نہ جائے گی یہاں تک کہ لوگوں پر وہ دن آجائے کہ قاتل کو یہ پتہ نہ ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا ہے نہ مقتول کو یہ معلوم ہو کہ اسے کیوں قتل کیا گیا ہے؟ سوال ہوا: ایسا کیونکر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ فتنے کا وقت ہوگا۔ قاتل ومقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ (مسلم)

آج یہ حدیث امت پر کیسی چسپاں نظر آرہی ہے، انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے، بات بات پر گولیاں چل رہی ہیں، دھماکے ہورہے، خطرناک قسم کی اندھا دھند بمباری ہورہی ہے اس کے پیچھے اندھی خواہشات اور خونریزی کے جذبے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوچکی ہے۔ ہر طرف سطحی سوچ اور اوچھے مفادات کام کرتے نظر آرہے ہیں۔

اس قتل وخونریزی کا ایک پہلو یہ بھی ہے جو حسب ذیل حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر بھی غور ہونا چاہیے:

● حضرت ابوبردہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں زیاد کے عہد امارت میں ایک دفعہ بازار میں کھڑا تھا کہ میں نے تعجب سے اپنے ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کو مارا، تو انصار کے ایک صاحب نے جن کے والد کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل تھی فرمایا: ابوبردہ! آپ کو تعجب کس بات پر ہے؟ میں نے کہا: مجھے تعجب اس قوم پر ہے جس کا دین ایک، نبی ایک، دعوت ایک، حج ایک اور غزوہ ایک ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون حلال کئے ہوئے ہے۔ انھوں نے فرمایا: تعجب نہ کیجئے، میں نے اپنے والد سے سنا ہے انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

''ان امتی امة مرحومة، لیس علیها فی الآخرة حساب ولا عذاب، وانما عذابها فی القتل والزلازل والفتن''۔ ①

① (''مستدرک حاکم'' (۴/ ۲۵۳-۲۵۴)، اور کہا صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے: ''سلسلة الاحادیث الصحیحة'' (م ۲/ ۶۸۴-۶۸۶))

میری امت امت مرحوم ہے اس پر آخرت میں کوئی حساب اور عذاب نہیں ہے اس کا عذاب تو بس قتل، زلزلوں اور فتنوں میں ہے۔

وفی روایة عن ابی موسی: ''ان امتی امة مرحومة لیس علیها فی الآخرة عذاب، انما عذابها فی الدنیا: القتل، والبلابل، والزلازل''۔ ②

② (مسند امام احمد (۴/ ۴۱۰)، بهامشه منتخب الکنز) حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے: صحیح الجامع الصغیر، (۲/ ۱۰۴) (ح ۱۷۳۴) و ''سلسلة الاحادیث الصحیحة'' (م ۲/ ۶۸۴) (ح ۹۵۹))

ایک روایت میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''میری امت امت مرحوم ہے اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہیں ہے اس کا عذاب تو بس دنیا میں ہے: قتل، غمگین کرنے والی آفتیں اور زلزلے''۔

(جاری ہے)

❖ ❖ ❖

[۲]

خصوصی مضمون

مسلمانوں کا عروج وزوال قرآن وسنت کی روشنی میں

اور اس عروج وزوال میں نوجوانوں کا کردار

محمد مقیم فیضی

حدیث : میری امت امت مرحوم ہے کی شرح :

''میری امت امت مرحوم ہے اس پر آخرت میں کوئی حساب اور عذاب نہیں ہے اس کا عذاب تو بس قتل، زلزلوں اور فتنوں میں ہے''۔

اس سے مراد : (۱) اس وقت موجود امت کے لوگ مراد ہیں یعنی ان کے زمانے کے لوگ۔ (۲) یہ عام ہے ہر زمانے کے امتی مراد ہیں۔ (۳) امت کے خواص مراد ہیں۔ (۴) وہ لوگ مراد ہیں جو شرک نہیں کرتے ہیں۔ (۵) مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

امت مرحوم : مطلب یہ ہے کہ اسے زائد رحمت اور اتمام نعمت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یا مختلف قسم کی مشقتیں اور طوق وبیڑیاں جو دیگر امتوں پر تھیں ان سے اسے محفوظ کردیا ہے۔ مثلاً : توبہ میں قتل ہونا، زکاۃ میں ربع مال دینا، نجاست جس جگہ لگ جائے اس کا کاٹ دینا وغیرہ۔

اس پر کوئی عذاب آخرت میں نہیں ہے :

- یعنی اگر ان میں سے کسی پر عذاب ہوگا تو وہ کفار جیسا نہیں ہوگا۔
- سارے اعضاء پر عذاب نہیں ہوگا، کیونکہ اعضاء وضوء کو آگ نہیں جلائے گی۔ مگر مناوی کہتے ہیں کہ یہ قول تکلف پر مبنی ہے، اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔
- ان لوگوں کے متعلق غالب یہی ہوگا کہ ان کی مغفرت کردی جائے گی۔
- ملا علی قاری صاحب مرقاۃ میں فرماتے ہیں : ان کا بیشتر عذاب یہی ہوگا کہ ان کے (قابل گرفت) اعمال کا بدلہ آزمائشوں، بیماریوں اور مختلف قسم کی بلاؤں کی شکل میں دنیا ہی میں دے دیا جائے گا جیسا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں محقق کیا گیا ہے : (مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ) ''جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا'' (النساء: ۱۲۳) انتھی۔
- **دنیا میں اس کا عذاب فتنے ہیں :** مطلب ان کے درمیان واقع ہونے والی جنگیں ہیں۔

زلزلے ہیں : یعنی آفتیں، مصیبتیں اور طرح طرح کی پریشانیاں۔

قتل ہے : یعنی ان میں سے بعض کا بعض کو قتل کرنا مراد ہے۔

اور دنیا کا عذاب آخرت سے ہلکا ہی ہوتا ہے :

- **مناوی فرماتے ہیں :** سابقہ امتوں کا حال یہ تھا کہ ان کے ساتھ تعامل منہج عدل اور اساس ربوبیت پر جاری تھا، جبکہ اس امت کے ساتھ تعامل منہج فضل ومہربانی اور جود وسخاوت الٰہیت پر جاری ہے۔
- کچھ اہل علم نے فرمایا کہ یہ مشکل حدیثوں میں سے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت میں سے کسی کو عذاب ہوگا ہی نہیں خواہ اس نے کبائر وغیرہ کا ہی ارتکاب کیوں نہ

کیا ہو جبکہ دیگر ایسی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن میں مرتکب کبیرہ کی تعذیب کا اثبات کیا گیا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس میں یہ تاویل کردی جائے کہ یہاں امت سے مراد وہی لوگ ہیں جنھوں نے کما حقہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی ہو، ان کے احکام وہدایات کے پابند رہے ہوں اور ان باتوں سے باز آ گئے ہوں جن سے انھوں نے روک دیا تھا۔

اس سلسلے میں مختلف جوابات دئے گئے ہیں پھر ان پر بھی اشکالات پیش کئے گئے ہیں تاہم علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی تشفی بخش شرح فرمائی ہے۔ علامہ ان لوگوں کی خطا واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں جن لوگوں نے اس حدیث: ''**امتی امة مرحومة، ليس عليها في الآخرة حساب ولا عذاب، وانما عذابها في القتل والزلازل والفتن**'' کی تضعیف اس حجت کے ساتھ کی تھی کہ وہ ان احادیث کے مخالف ہے جن میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کے کچھ لوگ شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکالے جائیں گے:

حقیقت یہ ہے کہ اگر کھوٹی تحقیق کے مظاہرے سے دور ہوکر اس پر غور وتامل کیا جائے تو کوئی تعارض نظر نہیں آ سکتا ہے جیسا کہ اس صحیح حدیث کا امر واقع ہے، کیونکہ اس میں امت کے افراد میں سے ہر فرد نہیں مراد ہے، بلکہ صرف وہی لوگ مراد ہیں جن کے گناہوں کا کفارہ اس دنیا میں لاحق ہونے والی بلاؤں سے ہوگیا ہو، جیسا کہ بیہقی نے ''شعب الایمان'' (۱/۳۴۱) میں فرمایا ہے کہ: ''حدیث شفاعت ان لوگوں کے متعلق وارد ہے جن کے گناہوں کا اس دنیا میں کفارہ نہ ہوگیا ہو''۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اس قبیل سے ہے جس میں کل بول کر بعض مراد لیا جاتا ہے، یہاں ''امت'' کا اطلاق کرکے بعض امت لیا گیا ہے؛ اور یہ وہ لوگ ہوں جن کے گناہوں کا حدیث میں مذکورہ بلاؤں وغیرہ سے کفارہ ہوگیا ہوگا۔ اور احادیث صحیحہ میں وارد کفارات کس قدر کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں! والحمدللہ، اور اسی موضوع پر حافظ ابن حجر نے اپنی معروف کتاب تالیف کی ہے جس میں مکفرات کا بیان ہے۔(السلسلة الصحيحة:۲/۲۷۷-۲۷۸)

اس حدیث کے متعلق شیخ عبدالمحسن بن عباد کی وضاحتیں:

سوال: ''میری امت امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہیں ہے''؟ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟

جواب: دنیا میں جو کچھ حالات اسے پیش آئیں گے وہ آخرت میں اس کے لئے سلامتی کا سبب بن جائیں گے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، بلکہ جو شخص گناہوں اور معصیتوں کا مرتکب ہوگا اور اللہ نے اسے معاف نہیں کیا ہوگا تو وہ عذاب میں گرفتار ہوگا، لیکن دنیا میں جو مصائب وغیرہ اسے لاحق ہوں گے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کی مغفرت کا سبب بن جائیں گے، ہاں حدیث کی دلالت اس بات پر ضرور ہے کہ دنیا میں انسان پر عذاب ہوتا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر مسلمان جہنم کے عذاب سے محفوظ رہے گا، بلکہ بہت سی حدیثیں ایسی وارد ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کبائر کا ارتکاب کرنے والے جہنم میں جائیں گے، اور وہ لوگ شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکلیں گے، نبی ﷺ فرماتے ہیں:

''**إن لكل نبي دعوة مستجابة دعا بها فاستجيب له، و إني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي**'' ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے جسے ہر ایک نے مانگ لی ہے، جبکہ میں نے اسے اپنی امت کی شفاعت کی دعا کے لئے چھپا رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اہل کبائر کی شفاعت کریں گے، اسی لئے جسے اللہ معاف نہیں کرنا چاہے گا اسے جہنم میں عذاب سے دوچار کردے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب کا یہی معاملہ ہوگا، بلکہ وہ کچھ ہی لوگ ہوں گے جنھیں عذاب سے سلامتی نصیب ہوگی۔

اور حدیث کے یہ الفاظ کہ: ''**إن بحسبكم القتل**'' تو اس کے متعلق عظیم آبادی صاحب فرماتے ہیں: اس جملے کا

معنی یہ ہے کہ اگر فتنے نے تمہیں اپنی گرفت میں لے لیا تو اس میں قتل ہی تمہارے لئے کافی ہوگا، یعنی مقتول ہو جاؤ، تمہیں جو ضرر لاحق ہوگا وہ قتل کے سوا کچھ اور نہ ہوگا، اب رہی تمہاری عاقبت کے برباد ہونے کی بات تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ وہاں اللہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہاری مغفرت کر دے گا۔

اور اس جملے کا مجھ پر جو معنی ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں تو اس امت کو قتل، مصیبتوں اور فتنوں کا سامنا ضرور ہوگا مگر آخرت میں ہلاکت کی نوبت نہیں آئے گی، مگر جیسا کہ معلوم ہے آخرت میں سارے ہی لوگ عذاب سے محفوظ نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ عزوجل جسے چاہے گا اسے عذاب دے گا۔ مگر کفار کی طرح انہیں دائمی عذاب نہیں ہوگا۔(شرح سنن ابی داود للعباد مکتبہ شاملة)

اس بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم واطلاق پر نہیں ہے بلکہ مخصوص منہ البعض ومقید ہے۔ مگر اس کی دلالت اس بات پر ضرور ہے کہ ان فتنوں، مصیبتوں اور قتل ناحق کا جو بھی شکار ہوگا اس سے اسے گناہوں کی تکفیر اور معافی کا فائدہ ضرور ملے گا۔

ذلت کے اسباب پر دلالت کرنے والی ایک دوسری حدیث :

''إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ''

''جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے (سامان خریدنے کے نام پر حیلے سے سود کھانے لگو گے)، گایوں کی دم پکڑ لو گے، کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جسے اس وقت تک نہیں اٹھائے جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ آ جاؤ''۔

علامہ البانی اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دیکھو کیسے اس حدیث میں اس بات کو کھول کر بیان کر دیا ہے جسے ابوامامہ کی گزشتہ حدیث میں مجمل بیان کیا تھا، یہاں بتا دیا کہ ذلت کا مسلط کیا جانا محض زراعت اور کھیتی باڑی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس میں کلی انہماک اور حد درجہ مشغولیت کی وجہ سے ہے جس کی بنا پر جہاد فی سبیل اللہ کی طرف مطلق توجہ نہیں رہ جاتی ہے، ہاں حدیث سے یہی مراد ہے، اب رہی وہ کھیتی باڑی جس میں یہ کیفیت نہ پیدا ہوا اور مذکورہ صورت حال میں سے کچھ بھی نہ پیش آئے تو پھر اس سے مراد وہ ہوگی جس کا ذکر کھیتی باڑی کی ترغیب دینے والی احادیث میں وارد ہے اس لئے ان کے درمیان نہ کوئی تعارض ہے نہ اشکال ہے۔

علامہ نے اس پر گفتگو ایک دوسری حدیث کے ضمن میں بھی کی ہے اور چونکہ وہ حدیث بھی ہمارے موضوع سے بہت متعلق ہے اس لئے ہم اسے بھی یہاں بیان کر کے پھر اس گفتگو کو نقل کرتے ہیں :

- ''**إن هذا الامرفي قريش لا يعاديهم أحد إلاكبه الله على وجهه ما أقاموا الدين**'' (بخاری، دارمی، احمد وغیرہ الصحیحۃ:۲۸۵۶) یہ حکومت قریش ہی میں رہے گی جو بھی ان سے دشمنی کرے گا اللہ اسے منہ کے بل الٹ دے گا جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔

اب ہم علامہ البانی کی گفتگو نقل کر رہے ہیں فرماتے ہیں :

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ (جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے) اس سے مراد اس مدت تک (ان کی حکومت کا قیام) ہے جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ دین کو قائم نہیں رکھیں گے تو حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ اور اس معنی پر دلالت کرنے والی دوسری احادیث بھی ہیں جن میں سے ایک (۱۵۵۲) پر گزر چکی ہے، اور اس کے بعد آنے والی حدیث پر بھی نگاہ ڈال لیجیے۔ اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اسی طرف اشارہ کیا ہے (۱۳/ ۱۱۷) پر فرماتے ہیں : ''بقیہ احادیث سے یہ بات ماخوذ ہوتی ہے کہ حکومت ان کے ہاتھ سے نکل جانے کا معاملہ اول تو اس

وقت سامنے آئے گا جب وہ صورت حال پیش آئے گی جس کے متعلق انہیں اللہ کی طرف سے دھمکی دی گئی تھی، اور وہی بے توفیقی اور فساد تدبیر کا موجب ہوگی اور ایسی صورت حال دولت عباسیہ کے آغاز میں رونما ہو چکی ہے، پھر انہیں اس بات کی دھمکی دی گئی ہے کہ ان پر وہ لوگ مسلط ہو جائیں گے جو انہیں اذیت سے دوچار کریں گے، اور ایسا ہی ہوا جب ان کے غلام ان پر ایسے حاوی ہو گئے کہ وہ ان کے سامنے ان بچوں کی طرح ہو گئے تھے جن پر پابندی لگا دی گئی ہو، بس انہیں اپنی لذتوں سے کام رہ گیا تھا، باقی کاروبار حکومت دوسرے ہی چلاتے تھے، پھر یہ مصیبت اس وقت اور شدید ہو گئی جب ان پر دیلمی (آزر بائجان وغیرہ کے علاقوں کے لوگ) غالب آ گئے، انھوں نے تو ہر چیز میں انہیں تنگ کیا یہاں تک خلیفہ کے لئے خطبے کے سوا کچھ اور نہیں بچا، اور ان قابض غلاموں نے سارے ممالک آپس میں تقسیم کر لئے، پھر یکے بعد دیگرے الگ الگ گروہ ان پر آتے رہے یہاں تک کہ تمام ملکوں میں حکومت ان سے چھین لی گئی اور خال خال ملکوں میں صرف خلیفہ کا نام ہی رہ گیا تھا''۔

میں (البانی) کہتا ہوں : کل اور آج میں کتنی مماثلت ہے، بلکہ اب تو صورت حال بدتر ہو چکی ہے، آج تو رسمی طور پر یا برائے نام ہی سہی ان کا کوئی خلیفہ نہیں ہے، یہود، کمیونسٹ اور منافقین بہت سے اسلامی ممالک پر قابض ہو چکے ہیں، اب تو بس اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنی مقررہ شریعت کے تمام احکام پر عمل کی توفیق دے دے اور ان میں جو حکام ہیں ان کے اندر یہ بات ڈال دے کہ وہ سب ایک ایسی حکومت میں متحد ہو جائیں جو شریعت الٰہی کی پابند ہوتا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں عزت اور آخرت میں سعادت سے نوازے۔ ورنہ پھر وہی ہوگا جو اللہ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (الرعد:۱۱) ''کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے''۔

اور اس کی تفسیر حدیث صحیح میں یوں آئی ہے کہ ''جب تم بیع عینہ ... لہٰذا اے حاکم و محکوم مسلمانوں تم سب اپنے دین کی طرف واپس آجاؤ۔ (الصحيحة)

اب آیئے ان دونوں حدیثوں پر بھی نظر ڈال لیتے ہیں جن کی طرف علامہ نے اوپر اشارہ فرمایا ہے کیونکہ وہ دونوں بھی موضوع سے متعلق ہیں :

- **''أما بعد يا معشر قريش! فإنكم أهل هذا الأمر مالم تعصوا الله، فإذا عصيتموه بعث إليكم من يلحاكم كما يلحى هذا القضيب۔ لقضيب في يده''**(الصحيحة:۱۵۵۲)

امابعد! اے قریشیو! اس حکومت کے اہل تمہیں رہو گے جب تک اللہ کی نافرمانی نہیں کرو گے، پھر جب اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہاری طرف ایسوں کو بھیج دے گا جو تمہیں ایسے ادھیڑ دیں گے جیسے یہ لکڑی ادھیڑی جاتی ہے۔ آپ نے یہ بات اپنے ہاتھ میں موجود ایک لکڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمائی۔

یہ حدیث عبداللہ بن مسعود کے واسطے سے آئی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اسّی کے قریب قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، ان میں کوئی ایک بھی غیر قریشی نہیں تھا، اللہ کی قسم اس دن ان کے رخساروں پہ جو حسن تھا میں نے ویسا حسن کبھی مردوں کے چہروں پر نہیں دیکھا، ان سب نے عورتوں کا ذکر چھیڑ دیا، اور انہیں کے متعلق گفتگو کرنے لگے، آپ نے بھی ان کی گفتگو میں شرکت فرمائی، یہاں تک کہ میرے اندر یہ چاہت پیدا ہوئی کہ آپ خاموش ہو جاتے، بیان کرتے ہیں پھر میں ان کے پاس آیا تو انھوں نے شہادتین پڑھی اس کے بعد فرمایا (پھر مذکورہ حدیث بیان کی) اس کے بعد انھوں نے اپنی لکڑی کی چھال اتار دی اور وہ سفید چکنی نکل آئی''۔

(اس روایت کو احمد، ابو یعلی اور طبرانی وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد شیخین کی شرط پر صحیح ہے)

علامہ البانی رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلام نبوت میں سے ایک علم (یعنی نشانی) ہے، چنانچہ مختلف صدیوں تک خلافت قریش ہی میں رہی، پھر ان کے دن پھر گئے، کیونکہ انھوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اپنی خواہشات نفس کے پیروکار بن گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عجمیوں کو مسلط کر دیا جنھوں نے ان کے ہاتھوں سے حکومت چھین لی اور ان کے بعد مسلمان ذلیل ہوگئے۔ اس لئے اگر مسلمان اسلامی حکومت کی واپسی کے لئے کوشاں ہیں اور صدق دلی کے ساتھ اس پر آمادہ ہیں تو ان سب پر واجب ہے کہ اپنے رب سے توبہ کریں، اپنے دین کی طرف رجوع ہوں، اور شرعی احکام کے پابند ہوجائیں۔ اور اسی پابندی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ حدیث وفقہ کی کتابوں میں معروف شرطوں کے ساتھ خلافت قریش میں آئے، اور لوگ اپنے آراء واہواء اور باپ دادا کی روش کی پیروی چھوڑ دیں اور ان کی تقلید سے باز آجائیں، ورنہ وہ دوسروں کے محکوم ہی رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر کے سچ فرمایا ہے کہ: (إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ) ''کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے''۔ (رعد:۱۱) اور انجام متقیوں کے لئے ہی ہے۔

اور آنے والی دوسری حدیث جس کی طرف علامہ نے اشارہ کیا تھا وہ شاید انھوں نے اس کے بعد درج کی ہے مگر یہ حدیث جو یہاں بیان کی ہے ایک دوسرے معنی سے خاص اہمیت کی حامل ہے جس پر انھوں نے تفصیلی گفتگو کی ہے جو پیش خدمت ہے:

● **''إنكم إن شهدتم أن لا إله إلا الله وأقمتم الصلاة وآتيتم الزكاة وفارقتم المشركين أعطيتم من الغنائم الخمس وسهم النبي ﷺ، والصفي -وربما قال: وصفيه- فأنتم آمنون بأمان الله وأمان رسوله''** (الصحیحة:۲۸۵۷)

اگر تم لا إلہ إلا اللہ کی شہادت دو، نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، مشرکوں سے جدا ہوجاؤ، مال غنیمت کا پانچواں حصہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ اور صفی۔ اور ممکن ہے ان کا صفی کہا ہو۔ دے دیتے ہو تو تم اللہ کے دئے ہوئے اور اس کے رسول کے دئے ہوئے امان سے مامون ہوجاؤ گے''۔

بیہقی، احمد اور خطابی کی غریب الحدیث کے حوالے سے یزید بن عبداللہ بن خیر سے حدیث بیان کی ہے کہ ہم مربد میں تھے کہ ہمارے پاس ایک اعرابی پراگندہ بال آئے، ان کے پاس چمڑے یا بورے کا ایک ٹکڑا تھا، ہم نے کہا: گویا یہ اس ملک کے باشندے نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا: ہاں، یہ ایک تحریر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے لکھی تھی، لوگوں نے کہا: لاؤ ہمیں دو، پھر میں نے اسے لے لیا اور پڑھا تو اس میں تحریر تھا بسم اللہ الرحمان الرجیم: یہ تحریر ہے محمد نبی کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں بنی زہیر بن اقیش کے لئے لکھی گئی ہے۔ ابوالعلاء فرماتے ہیں: یہ عکل کی ایک شاخ ہے۔: اور مذکورہ حدیث بیان کی۔ علامہ اس کی اسناد کو شیخین کی شرط پر ٹھہراتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحابی کا مجہول ہونا مقررہ اصول کے مطابق کچھ مضر نہیں ہے۔

(صفی) کا مطلب مال غنیمت میں سے وہ سامان: گھوڑا یا غلام یا تلوار یا دیگر پسندیدہ چیزیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے منتخب فرمالیں، اور انتخاب پانچ حصوں میں مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے اصل مال میں ہی ہوتا تھا، اور یہ تینوں چیزیں جو حدیث میں مذکور ہیں: (یعنی پانچواں حصہ، اور سہم (حصہ) اور صفی) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اور یہ انتظام اس لئے

کیا گیا تھا کہ آپ پر جو صدقہ حرام کر دیا گیا تھا یہ چیز اس کے عوض اور بدل کے طور پر ہو جائے۔ یہ بات خطابی نے کہی ہے۔

میں کہتا ہوں : اس حدیث میں بعض احکام ان کفار سے متعلق ہیں جنھیں اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ (جب وہ مسلمان ہو جائیں) اور اپنے اوپر عائد فرائض کی ادائیگی کرنے لگیں تو انہیں امان مل جائے گی۔ اور انہیں میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ مشرکوں سے جدا ہو کر مسلم ممالک کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس موضوع سے متعلق بہت سی احادیث موجود ہیں اور وہ سب کی سب مسلمان ہونے والے کو مفارقت (مشرکوں سے الگ ہو جانے) کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ : ''**أنا بريء من كل مسلم يقيم بين اظهر المشركين، لا تتراءى نارهما**'' میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہو، (خبر دار) ان دونوں کو ایک دوسرے کی آگ دکھائی نہ دے۔

اور بعض احادیث میں تو آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں سے بیعت میں یہ شرط رکھی تھی کہ وہ مشرکوں سے جدا ہو جائیں گے۔ اور بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

''**لا يقبل الله عزوجل من مشرك بعد ما أسلم عملا، أو يفارق المشركين إلى المسلمين**'' اللہ عزوجل اسلام لانے کے بعد کسی مشرک کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک وہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں نہ چلا آئے۔ ان کے علاوہ دیگر احادیث بھی ہیں جن کی تخریج میں نے ''ارواء'' (۵/۲۹-۳۳) اور گزشتہ (۶۳۶) نمبر کے تحت کی ہے۔

اور نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان - الحمدللہ اپنی کثرت کے باوجود - مفارقت اور بلاد اسلام کی طرف ہجرت کے اس حکم پر عمل نہیں کرتے ہیں، صرف تھوڑے سے لوگ ہیں جو اس پر توجہ دیتے ہیں، مجھے تو اس کی دو ہی وجہیں سمجھ میں آتی ہیں :

اول : دنیا داری میں انہماک اور اپنے ملکوں میں خوشحالی اور عیش و عشرت کی جو زندگی انہیں بے روح مادی آسائشوں کی شکل میں فراہم ہے وہ انہیں اسلامی ممالک کی طرف منتقل نہیں ہونے دیتی ہے کیونکہ عام طور پر یہاں وہ آسائشیں مہیا نہیں ہوتی ہیں، اس لئے یہاں آنے پر ممکن ہے انہیں ان کے نقطہ نظر کے مطابق ایک باوقار و خوشگوار زندگی نہ نصیب ہو سکے۔

دوم : اور یہی زیادہ اہم ہے۔ یہ ہے کہ انہیں یہ حکم معلوم ہی نہیں ہے، اور وہ اس سلسلے میں معذور ہیں، کیونکہ انھوں نے کسی بھی ایسے داعی کی زبانی یہ بات سنی ہی نہیں ہے جن کی باتیں کچھ اجنبی زبانوں (فارن لینگویج) میں ترجمہ کر کے نشر کی جاتی ہیں، یا جو لوگ دعوت کے نام پر ان کے پاس جایا آیا کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر خود ہی فقیہ (دین فہم) نہیں ہیں بالخصوص تبلیغی جماعت کے لوگ۔ بلکہ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں نے اس حکم کو الٹ دیا ہے اور وہ خود ہی اپنا ملک چھوڑ کر کفار کے ملکوں میں جا بسے ہیں تو وہ اپنے ملکوں سے اور چپک جاتے ہیں! بھلا بتائیے کہ جب خود مسلمان ہی اس حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو ان لوگوں کو اس جیسا حکم کیسے معلوم ہو سکے گا جنھیں اللہ نے (نئے نئے) اسلام میں آنے کی ہدایت دی ہے؟!

خیر انہیں اور انہیں سب کو یہ جان لینا چاہیے کہ ہجرت جہاد ہی کی طرح جاری ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''**لا تنقطع الهجرة مادام العدو يقاتل**'' ہجرت اس وقت تک منقطع نہ ہوگی جب تک دشمن سے قتال ہوتا رہے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے :

''**لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة، ولا تنقطع التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها**'' ہجرت منقطع نہ ہوگی یہاں تک کہ توبہ منقطع ہو جائے اور توبہ نہ

منقطع ہوگی یہاں تک کہ سورج اپنے مغرب سے نہ نکل آئے۔

اس حدیث کی تخریج ''ارواء'' (۱۲۰۸) میں موجود ہے۔

جس بات کو علم میں رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہجرت کی مختلف قسمیں ہیں اور اس کے اسباب بھی متعدد ہیں، مگر ان کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ بلاد کفر کی طرف سے بلاد اسلام کی طرف ہجرت ضرور کر لینی چاہیے خواہ ان کے حکام اسلام سے کتنے ہی منحرف یا اس کے احکام کے نفاذ میں کتنے ہی کوتاہ کیوں نہ واقع ہوئے ہوں کیونکہ وہ بہر حال بلاد کفر کے مقابلے میں اخلاقی، دینی اور عملی اعتبار سے بیشمار خوبیوں کی وجہ سے بدرجہا بہتر ہیں۔

-اور صاف صاف کہتا ہوں کہ -بات ویسی نہیں ہے جیسا کہ ایک جاہل، احمق اور کم عقل خطیب نے کہی ہے کہ: ''واللہ اگر مجھے اس بات کا اختیار دیا جائے کہ میں یہودی قبضے کے ماتحت قدس میں زندگی گزاروں یا کسی عربی ملک کی راجدھانی میں زندگی بسر کروں تو میں ضرور یہودی قبضے کے ماتحت قدس میں زندگی گزارنا پسند کروں گا''! مزید کہتا ہے: ''میری رائے تو یہی ہے کہ جزائر سے تل ابیب کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے''!! اللہ اس کی زبان بند کرے اس نے ایسا ہی کہا ہے۔ جبکہ اس کا باطل ہونا کسی بھی مسلمان پر خواہ وہ کتنا ہی کند ذہن کیوں نہ ہو مخفی نہیں ہے!

حق پسند اور حق کی معرفت واتباع کے شدید خواہشمند قارئین کے ذہنوں سے بات کو قریب کرنے کے لئے بیان کرتا ہوں جو چلانے والوں کے شور وشغب، اداکاروں کی چیخ پکار، حسد وکینہ رکھنے والے خطباء ومولفین میں سے اینٹھن رکھنے والوں کے اضطراب کو خاطر میں لاتے ہیں نہ اس سے گھبراتے ہیں، ہاں میں انہیں احباب سے کہتا ہوں : کم از کم رسول اللہ ﷺ کی دو حدیثوں کو وہ ضرور یاد رکھیں :

۱- ''**إن الإيمان ليأرز إلى المدينة كما تأرز الحية إلى حجرها**''۔ یقینا اسلام اسی طرح مدینے کی طرف لوٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف پلٹ آتا ہے۔ (اس کی تخریج بخاری ومسلم وغیرہ نے کی ہے)

۲- ''**لا تزال طائفة من أمتى ظاهرين على الحق حتى ياتيهم أمرالله وهم ظاهرون**''۔ میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہنے کی وجہ سے سدا غالب رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ غالب ہی رہیں''۔ یہ ایک صحیح اور متواتر حدیث ہے، صحابہ کی ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے، اور ان میں سے ایک جماعت سے اس کی تخریج: (۲۷۰، ۱۱۰۸، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶) نمبروں کے تحت اور صحیح ابوداود (۱۲۴۵) میں ہو چکی ہے، اور ان میں سے بعض میں وارد ہے کہ: ''وہ اہل مغرب ہوں گے'' یعنی شام کے لوگ ہوں گے، اور بخاری وغیرہ کے یہاں بواسطہ معاذ بن جبل -مفسر- اور ترمذی وغیرہ کے یہاں مرفوعا ان الفاظ میں وارد ہے: ''**إذا فسد اهل الشام فلا خير فيكم، ولاتزال طائفة من أمتي..**'' الحدیث۔ جب اہل شام فاسد ہو جائیں گے (بگڑ جائیں گے) تو تم میں کوئی خیر نہ ہوگا، اور میری امت کا ایک گروہ سدا..''۔

ان احادیث میں اس بات کی طرف قوی اشارہ پایا جاتا ہے کہ ملکوں میں اعتبار باشندوں کا ہوتا ہے دیواروں کا نہیں۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابو درداء کو خط لکھا تھا تو اس حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا تھا جو ان کی اس دعوت کے جواب میں تھا کہ: ''ارض مقدس کی طرف چلے آیئے''۔ انھوں نے لکھا ہے: ''**إن الأرض المقدسة لا تقدس أحدا، وإنما يقدس الإنسان عمله**'' ارض مقدس کسی شخص کو مقدس نہیں بناتی ہے بلکہ انسان کو مقدس اس کا عمل بناتا ہے۔ (موطا امام مالک ۲/۲۳۵)

-اگر میں اسے قلت دین نہ کہوں تو کم از کم یہ کہہ سکتا ہوں کہ- یہ غایت درجہ کی حماقت اور قاتل جہالت ہے کہ ایک کم عقل

خطیب غاصبانہ یہودی قبضے کے تحت رہائش کو اختیار کرتا ہے اور دبے کچلے جزائریوں پر یہ واجب کرتا ہے کہ وہ (تل ابیب) کی طرف ہجرت کریں۔ بجائے اس کے کہ انہیں اپنے مسلم ملک عمان کی طرف آنے کی ترغیب دیتا بلکہ بجائے اس کے کہ انہیں مکہ یا مدینے جانے کے لئے کہتا۔ اور اس فسق وفجور اور بے حیائی وبے حجابی کو نظر انداز کر دیتا ہے جو یہودیوں نے عام طور پر پورے فلسطین میں اور خاص طور پر (تل ابیب)، (حیفا) اور (یافا) میں پھیلا رکھی ہے، جو مجاورت (پڑوس) اور تعدیہ (چھوت چھات اور باہم رہن سہن) کی وجہ سے مسلم حضرات اور خواتین میں بھی سرایت کر چکی ہے، یہ باتیں ان لوگوں پر مخفی نہیں ہیں جو ان کے ساتھ رہے سہے ہیں پھر اللہ نے انہیں ان لوگوں سے نجات دے دی، یا پھر وہ اپنے اہل واقارب سے ملنے کبھی کبھی وہاں جایا کرتے ہیں، اور جس انسان کے پاس ذرا بھی علم ہوگا اس پر اس اختیار میں جو شرعی مخالفت ہے وہ پوشیدہ نہیں رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے: (اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا) ”جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارۂ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے، اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا، وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی، اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے“ (النساء: ۹۷-۱۰۰)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے حق میں عام ہے جو ہجرت کی طاقت رکھنے کے باوجود مشرکین کے درمیان سکونت رکھتا ہو، اور (وہاں) دین کو قائم رکھنے پر قادر بھی نہ ہو، تو ایسا شخص اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور اس آیت کے نص اور اجماع کے مطابق حرام کا مرتکب ہے“۔ اور اس میں بھی کوئی فقیہ عالم شک نہیں کر سکتا ہے کہ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے بلاد کفر سے ہجرت سے زیادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور امام قرطبی نے تو اس کی صراحت بھی کر دی ہے، چنانچہ وہ اپنی تفسیر (۵/۳۴۶) میں فرماتے ہیں: ”اس آیت میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ ایسی سرزمین کو چھوڑ جانا چاہیے جہاں معصیتوں کا ارتکاب کیا جاتا ہو، اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: ”جب کسی سرزمین پر معصیتوں کا ارتکاب ہوتا ہو تو وہاں سے نکل لو، اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: (اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا)۔ اس اثر کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر (۲/۱۷۴) میں حضرت سعید سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اور حافظ نے بھی ”فتح الباری“ میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے، چنانچہ (۸/۲۶۳) پر فرماتے ہیں: ”سعید بن

جبیر نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ جس سرزمین میں معصیتوں کا ارتکاب ہوتا ہو وہاں سے نکل جانا واجب ہے''[1]۔

[1] (کیا ہمارے وہ علماء کرام جو مخلوط مشاعروں کی محفلوں میں رونق افروز ہوتے ہیں، یا موسیقی کی دھنوں پر گائی ہوئی غزلیں اور گانے ایک دوسرے کو فارورڈ کرتے ہیں، یا عریاں تہذیب کی نمائندگی کرنے والے افسانے یا تحریریں ارسال کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی ان آثار کی کوئی اہمیت ہے؟)

کچھ جاہل خطباء، دکاترہ اور اساتذہ (پروفیسران) یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ: ''لاھجرة بعد الفتح'' ''فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے'' مطلق طور پر ہجرت کی ناسخ ہے، حالانکہ یہ کتاب وسنت اور اقوال ائمہ سے کھلی ہوئی ناواقفیت اور جہالت ہے، اور میں نے کچھ مدعیان علم پروفیسران سے یہ بات اس وقت سنی تھی جب میرے اور اس کے درمیان اس موقع پر مباحثہ ہوا تھا جب مذکورہ بالا خطیب نے جس کا بیان ابھی کیا گیا ہے میرے خلاف فتنہ کھڑا کر دیا تھا، جب میں نے اس کے سامنے توبہ کے عدم انقطاع والی مذکورہ صریح حدیث پیش کی تو وہ لاجواب ہو گیا! اس موقع پر مذکورہ دونوں حدیثوں کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، امام صاحب ''مجموع الفتاویٰ'' (۲۸۱/۱۸) میں فرماتے ہیں: ''وہ دونوں ہی حق ہیں، پہلی میں اپنے زمانے کی معہود ہجرت مراد لی ہے، یعنی مکہ وغیرہ سرزمین عرب سے مدینے کی طرف ہجرت کرنا کیونکہ یہ ہجرت اس وقت مشروع تھی جب مکہ وغیرہ دار کفر وحرب تھا اور ایمان مدینے میں تھا، اس لئے قدرت رکھنے والے پر دار کفر سے دار اسلام کی طرف ہجرت واجب تھی، پھر جب مکہ فتح ہو کر دار الاسلام بن گیا اور عرب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ پوری سرزمین ہی دار الاسلام ہو گئی، اسی لئے فرمایا کہ: ''لا ھجرة بعد الفتح'' ''فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں''۔ اور کسی سرزمین کا دار کفر یا دار ایمان یا دار فساق ہونا اس کا لازمی وصف نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے باشندوں کے اعتبار سے اس کا عارضی وصف ہے، چنانچہ ہر وہ سرزمین جہاں کے باشندے مومن ومتقی ہوں وہ اس وقت میں دار اولیاء اللہ ہو گی۔ اور ہر وہ سرزمین جہاں کے باشندے کفار ہوں وہ اس وقت میں دار کفر ہو گی، اور ہر وہ سرزمین جہاں کے باشندے فساق (گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں غرق ہوں) وہ اس وقت میں دار فسوق (عاصیوں کی بستی) ہو گی۔ پھر جب وہاں مذکورہ لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگ آبسیں اور وہ ان کے علاوہ سے بدل جائے تو پھر وہ انہیں کا گھر ہو جائے گی (اور انہیں کا دار کہلائے گی جو وہاں آبسے ہیں) اسی طرح اگر کوئی مسجد میخانے میں بدل جائے، یا مقام فسق وفجور یا جائے ظلم وستم بن جائے، یا گرجے میں تبدیل ہو جائے، اس میں شرک باللہ ہونے لگے تو وہ اپنے باشندوں کے اعتبار سے ہی ہو گی، اسی طرح جب کوئی میخانہ یا رنگ رلیوں کا مقام اور اسی طرح کی جگہ مسجد بنا دی جائے اور وہاں اللہ عزوجل کی عبادت ہونے لگے تو پھر اس کا شمار اسی اعتبار سے کیا جائے گا۔ اور یہی معاملہ اس نیک آدمی کا بھی ہے جو فاسق بن جائے، اور کافر کا ہے جو مومن بن جائے یا مومن کا ہے جو کافر بن جائے، اور اسی طرح کے اور بھی حالات میں حکم یہی ہے۔ ہر ایک پر اسی کا حکم لگے گا جس حال میں وہ سابقہ حال سے منتقل ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً) ''اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن واطمینان سے تھی'' (النحل: ۱۱۲) یہ آیت مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب وہ دار کفر تھا، حالانکہ فی نفسہ وہ اللہ کی سب سے بہتر سرزمین تھی اور سب سے محبوب سرزمین تھی، اور آیت میں مراد اس کے سکان ہیں۔ چنانچہ ترمذی نے مرفوعا روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حزورہ

میں کھڑے ہوکر مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ’’اللہ کی قسم تو اللہ کی سرزمین میں سب سے بہتر ہے اور ساری دنیا کی سرزمینوں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نکال نہ دیا ہوتا تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کر نہ جاتا[2] اور ایک روایت میں ہے: ’’تو اللہ کی سب سے بہتر سرزمین ہے، اور اللہ کی سرزمین میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے‘‘ دیکھیے یہاں صاف کہہ دیا ہے کہ مکہ کی سرزمین اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اور ان کا اور ان کے ساتھی مومنوں کا مدینہ میں سکونت اختیار کرنا مکہ میں رہنے سے افضل اس لئے ہوا کہ وہ ان کا دارِ ہجرت تھا، اسی لئے سرحدوں کی نگہبانی پر تعینات رہنا مکہ ومدینہ کی مجاورت سے افضل ہے جیسا کہ صحیح میں ثابت حدیث ہے کہ: ’’**رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه، وإن مات فيه جرى عليه عمله الذي كان يعمل وأجري عليه رزقه وأمن من الفتان**‘‘ ایک روز وشب اللہ کی راہ میں نگہبانی اور پہرے داری کرنا مہینے بھر صیام وقیام (روزہ رکھنے اور قیام اللیل کرنے) سے بہتر ہے، اور جو سرحد کی نگہبانی کرتے ہوئے مرجائے وہ مجاہد کی موت مرے گا، اس کے عمل کا سلسلہ (یعنی ثواب) جاری رہے گا، اور جنت سے اس کی روزی کا اجرا ہوجائے گا، اور وہ قبر کے فتنے سے محفوظ ہوجائے گا۔[3]

② (اس کی اسناد صحیح ہے، اس کی تخریج ’’مشکاۃ‘‘ (۲۷۲۵) میں موجود ہے)

③ (اس کی روایت مسلم وغیرہ نے کی ہے، اور اس کی تخریج ’’ارواء‘‘ (۱۲۰۰) میں موجود ہے)

اور سنن میں حضرت عثمان سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ’’..**رباط يوم في سبيل الله خير من ألف يوم فيما سواه من المنازل**‘‘ اللہ کی راہ میں ایک دن نگہبانی اور چوکیداری کا کام کرنا اس کے سوا ہزار دنوں کے مقامات سے بہتر ہے[4] اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ[5] فرماتے ہیں:

میں ایک رات اللہ کی راہ میں نگہبانی اور چوکیداری کروں یہ میرے نزدیک اس بات سے بہتر ہے کہ حجر اسود کے پاس شب قدر میں قیام اللیل کروں۔

④ (میں (البانی) کہتا ہوں: ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور حاکم و ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے اور وہ مختارہ پر میری تعلیق میں (نمبر ۳۰۷) کے تحت مخرج ہے)

⑤ (بلکہ وہ مرفوع ہے، ابن حبان وغیرہ نے اسے اسی طرح بسند صحیح روایت کیا ہے، اور اس کی تخریج ’’الصحيحة‘‘ (۱۰۶۸) میں موجود ہے)

اسی لئے ہر شخص کے حق میں وہی سرزمین سب سے افضل ہوتی ہے جس میں وہ سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کے حق میں افضل کا فیصلہ تقویٰ وطاعت، خشوع وخضوع اور حضوری (قلب) کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور حضرت ابودرداء نے حضرت سلمان کو لکھا: سرزمین مقدس کی طرف چلے آیئے! تو حضرت سلمان نے انہیں جواب لکھا: ’’زمین کسی کو مقدس نہیں بناتی، مقدس تو انسان کو اس کا عمل بناتا ہے۔ اور نبی ﷺ نے حضرت سلمان و ابودرداء کے درمیان اخوت قائم کی تھی، اور سلمان مختلف اشیاء میں ابودرداء سے زیادہ فقیہ تھے جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: (سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ) ’’بہت جلد تم لوگوں کو ان فاسقوں کا مقام دکھلاتا ہوں‘‘ اور یہ وہ بستی تھی جہاں عمالقہ رہا کرتے تھے، پھر وہ بعد میں مومنوں کی بستی ہوگئی اور یہ ارض مقدس کا وہی دار ہے جس کی خبر قرآن نے دی ہے، اور ارض مصر جس کا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وارث بنایا۔ لہٰذا شہروں اور بستیوں کا احوال بھی

بندوں کے احوال کی طرح ہے کہ آدمی کبھی مسلم کبھی کافر، کبھی مومن، کبھی فاسق، کبھی متقی پرہیزگار، کبھی فاسق اور کبھی فاجر بد بخت ہوتا ہے۔اسی طرح مساکن پر بھی حکم اپنے سکان کے اعتبار سے لگتا ہے، اس لئے انسان کا مقامِ کفر ومعصیت سے مقامِ طاعت وتوبہ کی طرف ہجرت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کفر ومعصیت سے ایمان وطاعت کی طرف منتقل ہونا اور یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

(وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ)''اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا'' (الانفال: ۷۵)

سلف کی ایک جماعت نے فرمایا: اس آیت میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو قیامت تک ایمان لائیں گے اور ہجرت وجہاد کریں گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول: (ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)''جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کا بوت دیا بیشک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد انہیں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا ہے'' (النحل: ۱۱۰) کے معنی میں وہ سبھی لوگ داخل ہیں جنھیں شیطان نے دین کے متعلق فتنے میں ڈال دیا ہو، یا گناہ کا مرتکب بنا دیا ہو پھر وہ گناہوں کو چھوڑ دیں اپنے نفس وغیرہ دشمنوں سے جہاد کریں، اور منافقوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ جہاد کریں، اور دیگر نیکیاں بھی کریں، اور قول یا فعل سے لاحق ہونے والی اذیتوں اور مصیبتوں پر صبر کریں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فائدہ : مذکورہ بالا تحریر انتہائی بصیرت افروز ہے تاہم چند امور کی طرف توجہ دلانا مناسب سمجھتا ہوں :

۱- اسلام کا عام اصول یہ ہے کہ (لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا)''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

۲- آج ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرنا قانونی مشکلات کی وجہ سے انتہائی مشکل کام ہے بلکہ ناممکن کے قریب۔

۳- ہمارا ملک ہندوستان دارالامن کہلاتا چلا آیا ہے، یہاں الحمد للہ دینی شعائر کے اظہار اور دینی احکامات پر عمل کی پوری آزادی ہے۔اور اگر کچھ مسائل میں دشواریوں کا سامنا ہے تو وہ تقریباً عالمی مشکلات ہیں اور اکثر مسلم ممالک بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور ان حالات کے ذمہ دار خود مسلمان ہی ہیں۔

۴- اپنے ملک میں مسلمانوں کو اپنے محلوں میں ہی رہنا چاہیے اور اپنی اسلامی معاشرتی شناخت کی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔اپنی بستی اور اپنے علاقے چھوڑ کر غیر اقوام کے ساتھ رہن سہن اختیار کرنا اور صرف چند مادی سہولتوں کے لئے مسلم محلوں کو چھوڑ دینا شرعی اعتبار سے نہایت ناپسندیدہ اور قابل مواخذہ عمل ہے ایسے مسلمانوں سے ہی رسول اللہ ﷺ نے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔

۵- مسلم معاشرے کی خصوصیات کی حفاظت ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی اجتماعی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لئے مسلم معاشروں میں جو لوگ برائیوں، بے حیائیوں اور اخلاقی خرابیوں کو فروغ دینا چاہتے ہوں ان کا ہاتھ پکڑنا اور انہیں مغلوب ومقہور کرنا اسلامی غیرت اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور ایمان کا تقاضا ہے۔

۶- اچھے دوست اور اچھے ماحول کا انتخاب دینی فرائض میں داخل ہے اور برے دوستوں اور برے ماحول کی نحوست سے بچنا ہر مومن کی بنیادی ضرورت ہے۔

❖ ❖ ❖

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
March 2018

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمد للہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کررہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

- ماہانہ تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
- جلسے اور کانفرنسیں۔
- انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
- ہینڈبل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
- ہر ماہ الجماعہ کی اشاعت۔
- مفت کتابوں کی تقسیم۔
- مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
- ضرورت مند افراد کا تعاون۔
- مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون۔
- نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
- دعاۃ کی تربیت کا اہتمام وغیرہ۔

دینی وجماعتی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

Published by :
SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com